ڈاکٹر علی احمد فاطمی

کچھ فراق کی نظمیہ شاعری کے بارے میں

Firaq Gorakhpuri is a prominent poet of *Ghazal* but his *Nazm* is also important. This article deals with Firaq's *Nazms*. Besides the detailed study of his *Nazms* from different angles, a comparative study with his contemporary poets is also taken into account.

یہ سچ ہے کہ فراق بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لیکن وہ بہت اچھے نظم نگار بھی تھے اور اس سے بھی اچھے نقاد اور بڑے دانشور، لیکن ہمارے یہاں ایک عجیب روایت رہی ہے کہ ہر فنکار اپنی بنیادی حیثیت سے ہی پہچانا گیا باقی حیثیتیں خواہ وہ کتنی ہی اہم کیوں نہ ہوں دوسرے نمبر کی چیزیں سمجھی گئیں۔ اس سلسلے میں پروفیسر وحید اختر نے اچھی بات کہی ہے:

> ''اردو تنقید کی یہ روایت رہی ہے کہ شاعر اور ادیب کو اس کے مخصوص گوشہ تحریر کے آئینے میں دیکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی شاعر غزل، نظم، رباعی وغیرہ سبھی کچھ کہہ لیتا ہے تو اس کے سارے کلام کا اجمالی جائزہ لے کر یہ فیصلہ دیا جاتا ہے کہ فلاں شاعر غزل کا شاعر ہے اور فلاں شاعر نظم کا اور اس کے بعد جب بھی اس شاعر کا ذکر ہوگا تو اس کو مخصوص صنف کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔''

ادب میں بحیثیت مجموعی دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ہم فراق کی نظموں کو جا بجا ان کی غزلوں سے اور کہیں کہیں ان کی غزلوں کو بھی ان کی نظموں سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ان سب کے پس پردہ بحیثیت مجموعی ان کی خلاقانہ و دانشورانہ حیثیت کام کرتی دکھائی دیتی ہے کہیں کہیں تو ان کے اندر کا مدرس، محقق اور نقاد بھی بولتا نظر آتا ہے۔ اسی ضمن میں آگے چل کر وحید اختر نے یہ بھی کہا:

> ''مجھے فراق کی زندگی کا ثبوت اس میں ملتا ہے کہ وہ نصف صدی کے ہر موڑ پر اپنی شاعری کو موڑ دیتے ہیں۔ نہ صرف اپنی شاعری بلکہ پوری ہم عصر شاعری کو نئے لہجے، نئی تہوں اور تازہ تر امکانات کو سمجھتے اور سمجھاتے رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے سے کم عمر اساتذہ نظم و غزل کے مقابلے میں آج تک نئے ہیں۔''

کوئی چاہے تو وحید اختر کے ان خیالات سے اختلاف بھی کر سکتا ہے کہ ہمارے یہاں محض اپنی پسند و

Scanned by CamScanner

ناپسند کے حوالے سے بے سبب اختلاف کرنے کی پرانی عادت رہی ہے۔ اختلاف پھر بھی غنیمت ہے کہ اس سے فکر و خیال کی نئی راہیں اور سمتیں وا ہوتی ہیں لیکن انکار اور فیصلہ کن اظہار ...... یہ رویہ فراق کے سلسلے میں بھی رہا خاص طور پر ان کی نظم نگاری کے تعلق سے۔ ایسا تنقیدی عمل ان نقادوں نے زیادہ اپنایا جو نظم کو غزل کے مخصوص جمالیاتی تناظر اور تہذیبی پس منظر میں دیکھتے ہیں ...... ذرا آگے بھی بڑھے تو بس ہیئت اور زبان و بیان کے حوالے سے گفتگو کرلی۔ ہر چند کہ یہ سب چیزیں بھی اہمیت رکھتی ہیں تاہم فراق جیسے مفکر و دانشور انگریزی کے پروفیسر ...... ہندو اور ہندوستانی تہذیب میں رچے بسے اسکالر کو محض ہیئت اور حرف ولفظ میں قید نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے پہلے ہمیں فراق کے خیالات، ملک و معاشرے کے حالات اور مختلف تغیرات وتصورات کو سمجھنا ہوگا اور اس وجہ و سبب کو بھی تلاش کرنا ہوگا کہ غزل گوئی میں اپنا منفرد مقام پالینے کے باوجود فراق نظم کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔

فراق کے بچپن کے بارے میں بہتوں نے لکھا ہے۔ خود فراق نے بھی لکھا ہے۔ میں انہیں دہراؤں گا نہیں البتہ ان امور کی طرف توجہ ضرور دلاؤں گا جس نے ان کی غزل تک محدود نہیں رہنے دیا۔ والد کے شاعر ہونے اور ان کی مثنوی حسن فطرت کے مقبول ہونے کا احساس فراق کو پہلے سے تھا۔ فراق کے بڑے پھوپھی زاد بھائی بابو راج کشور سحر، گلزار نسیم کے ٹکڑے فراق کو سحر انگیز انداز میں سناتے جس کا فراق پر بیحد اثر پڑا۔ اس عمر میں فراق کی نظریں نظموں کے ان ٹکڑوں پر ہی ٹکتیں جو ان کے بچپن کی نفسیات میں اہم رول ادا کرتی تھیں۔ فراق خود کہتے ہیں:

> ''اگر کوئی شعر یا نظم کا کوئی ٹکڑا ایسا ہاتھ آجاتا جس میں بچپن کے شعور کے مطابق مجھے رس اور ترنم ملے تو وہ چیزیں میرے دل میں خاموشی سے اتر جاتیں اور شعور پر منڈلاتی تھیں۔ میں کھیلتے کھیلتے ان نغموں میں کھو جاتا تھا اور بسا اوقات اپنے ساتھیوں اور ہمجولیوں میں ان موقعوں پر اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا تھا۔''

اور آگے لکھتے ہیں:

> ''جب میں سترہ اٹھارہ برس کا ہوا ان تو کالج میں آچکا تھا۔ اردو شاعری سے میری دلچسپی اگرچہ مستقل ذوق بن چکی تھی لیکن پھر بھی انگریزی ادب وفلسفہ اور خیالات و واقعات اور معیار حیات جو آفاقی کلچر کا جزو بن چکے تھے۔ میرے مطالعے اور غور وفکر کا موضوع بن رہے تھے۔''

گورکھپور میں مجنوں گورکھپوری، بنارس میں پریم چند اور الہ آباد میں اعجاز حسین اور احتشام حسین اور اس کے بعد سجاد ظہیر سے ملاقات ...... ترقی پسند تحریک سے وابستگی ...... ان کے اندر کے مفکر و دانشور کو ابھارتی رہی اور ان کے تخلیقی اور وجدانی دائرے کو وسیع سے وسیع تر کرتی رہی۔ وہ صاف کہتے ہیں:

> ''میں تنگ نظری کا کبھی شکار نہیں ہوا۔ میں نے محدود مذاق کو اور حلقہ بندیوں کو اپنے

Scanned by CamScanner

مزاج اور ادبی مقصد کے مطابق کہیں نہیں پایا۔ اردو نثر و نظم میں آج یکسر اپن نہیں رہا۔ ادبی معیاروں اور حقیقی ادبی مقصدوں کو ٹھیس پہنچائے بغیر اس کی ضرورت ہے کہ آج ہم ادب کے معاملات میں وسیع المشرب ہو جائیں۔ یہی نہیں بلکہ شاعر کا فرض ہے کہ وہ تمام ادبی تحریکوں سے متاثر اور ان کے زندہ عناصر کو اپنی شاعری میں جذب کرتا رہے۔''

''روح کائنات'' کے مقدمے میں بھی وہ صاف طور پر کہتے ہیں:

''اس مجموعہ کلام میں ۱۹۲۶ء سے لے کر اب تک کہی ہوئی میری تمام نظمیں شامل ہیں۔ یہ نظمیں میری غزل گوئی کے وقفوں میں کہی گئی ہیں۔ ۱۹۳۱ء تک کی نظمیں اس زمانے کی یادگار ہیں۔ جب اردو ادب کی تاریخ میں وہ نئی تحریک پیدا ہوئی تھی جس کا تعلق ترقی پسند ادب سے ہے۔ ۱۹۳۱ء سے چار برس تک میں نے صرف غزلیں کہیں پھر ۱۹۳۵ء میں ترقی پسند ادب کی تحریک شروع ہوئی اور اس وقت سے ۱۹۴۲ء تک کی نظمیں سیاسی سماجی اور انقلابی اثرات و رجحانات کی حامل ہیں۔ ان نظموں میں میرا یہ معیار و مقصد رہتا ہے کہ اس دور کی نمائندگی اور اس کی روحانی کشمکش کی ترجمانی کرتے ہوئے بھی یہ نظمیں وقتی ہنگامی اور صحافتی ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ معنویت اور ابدیت کی حامل ہو سکیں۔ ان نظموں کی داخلی اشاریت میرے نزدیک سب سے اہم خصوصیت ہے۔''

کتنے افراد اور کتنے افکار شامل ہوتے ہیں۔ ایک فنکار کی تعمیر میں وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوتا ہے اور تحریک آزادی سے بھی۔ پارٹی، جیل، دفتر، کانفرنس سبھی کچھ اس کے حصے میں آتا ہے۔ پھر اس کا بیدار اور حساس ذہن ان سے الگ بھی ہوتا ہے، تحریکات سے وابستہ بھی ہوتا ہے لیکن اس کے سکوت و جمود یا شدت کا حصہ بھی نہیں بنتا۔ انگریزی ادب کا استاد ہوتا ہے اور انگریزی کی رومانی شاعری سے اس حد تک متاثر ہوتا ہے کہ اکثر نے اس کی بیشتر رومانی نظموں کو انگریزی شاعری کا چربہ کہا۔ لیکن یہ پورا سچ نہیں ہے کیونکہ وہ نظمیں کسی اور وجہ سے ہی کہہ رہے تھے۔ ان کو اکثر یہ شکایت رہی ہے کہ اردو شاعری میں ہندوستانی تہذیب یا ہندوستانی فکر نہیں رہی ہے یا بہت کم رہی ہے اس لیے بطور خاص نظمیں کہیں تاکہ اس کمی کو پورا کر سکیں اور فراق اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ غزل میں بھی انہوں نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی لیکن ان کا یہ بھی خیال ہے کہ تہذیب کا جس قدر جامع انعکاس نظم میں ممکن ہے شاید غزل میں ممکن نہیں۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ کسی خیال کا بتدریج ارتقا یا کسی خاص کیفیت کا ایک مسلسل ارتقا کہ وہ قاری کے حواس پر چھا جائے یا کسی خاص فضا کی تشکیل غزل کے ذریعہ ممکن نہیں۔ اس کے لیے زیادہ موزوں نظم ہے۔ یہ خیالات کسی تحریک یا تصور کے تحت نہیں تھے بلکہ اپنی افتاد طبع اور اپنے مطالعے و مشاہدے کے تحت ابھرے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ابتدا سے ہی غزلوں کے ساتھ ساتھ نظمیں کہیں۔ ان کے پہلے مجموعہ روح کائنات میں غزلوں کے مقابلے میں نظمیں زیادہ ہیں۔ ایک مضمون

Scanned by CamScanner

''میری زندگی۔ میری شاعری'' میں لکھتے ہیں..... ''میں ابھی فراق نہیں ہوا تھا۔ میری شاعری کی کل کائنات پانچ سات غزلیں تھیں اور کچھ نظمیں.....''

غزلوں کے حوالے سے عام طور پر انہیں عشقیہ جذبات کا شاعر کہا گیا ہے ور یہ سچ بھی ہے کہ فراق عشق و محبت کے شاعر تھے لیکن ان کا عشق فانی، حسرت، جگر وغیرہ سے بہت مختلف تھا۔ ''مشعل'' کے دیباچے میں اس سلسلے میں انہوں نے بے حد معنی خیز وضاحتیں کی ہیں۔

> ''میری شاعری قریب قریب تمام تر عشقیہ شاعری رہی ہے۔ عشقیہ شاعری کے لیے یہ کافی نہیں کہ شاعر ایک انسان کی حیثیت سے اوروں کی بہ نسبت زیادہ شدید اور دیرپا زیادہ لطیف اور رنگین جنسی اور رومانی جذبات رکھتا ہو اور شاعر کی حیثیت سے ایسے جذبات کو شعر کے سانچے میں ڈھال سکنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ باالفاظ دیگر عشقیہ شاعری کے لیے محض عاشق ہونا اور شاعر ہونا کافی نہیں محض نیک یار قیق القلب ہونا کافی ہے۔ محض جذباتی آدمی اور محض معقول آدمی بھی کافی نہیں۔ داخلی اور خارجی مشاہدہ بھی کافی نہیں۔ ان صفات کے علاوہ پرعظمت عشقیہ شاعری کے لیے یہ ضروری ہے کہ شاعری کی در کی جمالیاتی یا وجدانی اور اخلاقی دلچسپیاں وسیع ہوں۔ اس کی شخصیت ایک وسیع زندگی اور وسیع کلچر کی حامل ہو اس کا دل و دماغ پر ہو۔ اس کے شعور کی تھرتھراہٹوں میں آفاقیت ہو۔''

فراق پر جنس زدگی یا جنسیت کا بھی الزام ہے۔ اس ضمن میں ان کے خیالات ملاحظہ ہوں:

> ''جنسیت محض جنسیت سے مکمل نہیں ہوتی۔ آفاقیت اپنی خارجیت اور داخلیت کے ساتھ جب جنسیت میں سموا ٹھتی ہے جب کہیں پرعظمت عشقیہ شاعری کی لے جنم لیتی ہے۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''میرا یہ خیال رہا ہے کہ سچی اور پرعظمت عشقیہ شاعری'' عشق کی سچائیوں اور عظمتوں کی شاعری ہے اور جمال انسانی کے احساسات کی شاعری ہے نہ کہ آئے دن ان کی تکلیفوں کی فہرست ہے جو معشوق کے ہاتھوں عاشق کو ہوتی ہیں..... محبت میں ذاتی دکھ سکھ کو تخیل کی کیمیا سے عظمتیں اور قدریں ملتی ہیں اور تخیل بھی محض انفرادی نہیں بلکہ بلند قومی کلچر کی تخیل کلچر کے یہ نازک مقامات وہاں ہیں جہاں عشقیہ شاعری بہ یک وقت آپ بیتی اور جگ بیتی ہوتے ہوئے ان دونوں منزلوں سے گزر جاتی ہے۔ زماں و مکاں کی اس خمیدگی میں دکھ سکھ کا نیا جنم ہوتا ہے اور نیا جنم جو ایک عظیم کلچر ذاتی دکھ سکھ کو دیتا ہے۔ میں محض اپنے دل و دماغ کے بوتے پر عشقیہ شاعری کرنا کافی نہیں سمجھتا..... میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ

Scanned by CamScanner

عشقیہ شاعری کرنے کے لیے محض دل و دماغ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسے دل و دماغ کی ضرورت ہے جسے کلچر نے رچایا اور سجایا ہو۔ یہاں اکتساب فن کی بہ نسبت اکتساب تہذیب کی ضرورت زیادہ ہے۔ شاعری میں اسی چیز کو میں نظر کہتا ہوں۔''

محض زبان و بیان اور حرف و لفظ کو مکمل کائنات سمجھنے والوں کو فراق کے یہ خیالات بھی ملاحظہ ہوں:

''آلاپ میں الفاظ نہیں ہوتے نہ لے میں الفاظ ہوتے ہیں۔ نہ تال سم میں سلاست، فصاحت، روانی بلند آہنگی، ترنم اور نغمگی ان سب کے علاوہ آواز کی گہرائیاں اور تہیں ہوتی ہیں۔ اس کا وزن ہوتا ہے ایک گونج ہوتی ہے اور یہ سب کیسا بھی ہو یہ بھی اس پر منحصر ہے کہ شاعر کے وجدان میں کس انداز سے اور کس حد تک کن کرنوں میں آفاقی کلچر سانس لے رہا ہے۔''

حیات، معاشرہ، تہذیب، ثقافت، اشتراکیت وغیرہ کی اہمیت فراق کے نزدیک کیا تھی اور وہ ان سب کی عظمت اور اہمیت کے کس قدر قائل تھے۔ جذبات اور کائنات، محبت اور آفاقیت کے مابین خارجی اور باطنی رشتے کس نوع کے ہوتے ہیں اور ایک شاعر اور فنکار کے درمیان کیسے ہونے چاہییں اس کا دانشورانہ اور مفکرانہ اظہار انہوں نے جا بجا کیا ہے۔ ان کی کتاب اردو کی عشقیہ شاعری، اندازے، من آنم وغیرہ میں پڑھے اور سمجھے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے نجانے کتنے انٹرویوز اور تقاریر میں بھی ان امور پر معنی خیز اور فکر انگیز اشارے کیے ہیں۔ لیکن ان سب پر غالب ہے عشق جو اکثر جذبے کی شکل میں کم فلسفے کی شکل میں زیادہ سامنے آتا ہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ عشق کی سرمستی و سرشاری کے بغیر اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات میں بھی گداختگی اور سوز و گداز نہیں پیدا ہو سکتا اور ان سب مضامین کے ذریعہ عشق کا مرکز و محور بھی وسیع تر ہوتا ہے اور عشق محض جنسیت و قنوطیت یا ناآسودگی اور محرومی کے اظہار تک محدود نہ رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ فراق غزل میں مہربانی کو محبت تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور نظم میں اپنی سیاسی اور سماجی زندگی کے قید و بند کا رونا نہیں روتے بلکہ ان کے حوالے سے اپنی ذہنی وسعت اور فروغ پانے والے شعور وجدان کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں بھولتے کہ انہوں نے جب ہوش و حواس کی آنکھیں کھولیں تو اس وقت ان کے والد تھے جو جلدی ہی انتقال کر گئے اور فراق کم عمری میں ہی پریشان ہو اٹھے..... لیکن یہ وقت بھی تھا جب سارا ہندوستان ہر سطح پر نئے سماجی اور قومی شعور سے دوچار تھا۔ اس عہد میں یا اس صدی میں جتنی تبدیلیاں ہو رہی تھیں اس سے پہلے نہیں ہوئی تھیں۔ ملک آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ فراق اس جنگ میں بھی برابر سے شریک تھے۔ یہی نہیں وہ دنیا میں ہونے والی جنگوں اور انقلاب آفریں تبدیلیوں سے واقف تھے۔ ایک انٹرویو میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''دنیا ایک عالمگیر جنگ سے دوچار ہے۔ میرا مطلب اس جنگ عظیم سے ہے جس کی لگائی آگ سے دنیا بھر میں اب تک دھواں اٹھ رہا ہے دنیا جب سے وجود میں آئی

ہے۔ شاید چند چیز میں اب پہلے ممکن ہوئی ہیں مثلاً اخلاص کو سرے سے مٹا دینا۔ تعلیم اور آزادی کا عام ہو جانا۔ گھریلو اور سماجی زندگی کا سو فیصدی آدمیوں کے لیے خوش گوار بن جانا۔ انہیں مقصدوں کو پورا کرنے کے لیے آج ڈھائی ارب انسان بے چین ہے۔ جب ایسا سماج بن چکے گا جس میں آرام اور روشنی عام ہوگی اس وقت زندگی دینے والی شاعری اور فنون لطیفہ کے دوسرے مشاغل اور محویتیں بھی ہماری زندگی کو شاداب بنائیں گی۔ ابھی تو زندگی زندگی ہو ہی نہیں سکی ہے۔ پھر اس پر یہ حکم لگانا کہ زندگی قید غم ہے کچھ قبل از وقت معلوم ہوتا ہے۔''

دیکھیے عالمگیر جنگ کو انہوں نے کس طرح فلسفہ حیات سے جوڑ دیا۔ قید غم کی بھی بامعنی تشریح کر دی۔ اسی طرح سے اشتراکیت کا استعمال کرتے ہوئے ایک نہیں متعدد مقامات پر وضاحت اور اس کے اثرات قبول کرتے ہوئے بے ہچک اعترافات کیے ہیں۔ ان تجربات وتصورات سے تو وہ بعد میں دوچار ہوئے لیکن ان کی نظم نگاری جیسا کہ عرض کیا گیا ابتدا سے ہی ان کے فکر وشعور کا حصہ تھی اور ان کی وسیع النظری کا تخلیق حوالہ.....اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ فراق کے عہد میں اقبال جیسے عظیم نظم گو شاعر تھے جن کا چہار طرف طوطی بول رہا تھا اور وہ ایک ایسے بلند خیال شاعر تھے جن کا عشق کمزور صدیوں اور روایتی حدوں سے نکل کر انسان اور انسانیت، حیات وکائنات کی سرحدوں کو چھو رہا تھا اور وہ ایک نئے سماجی، قومی اور تہذیبی شعور سے لیس ہو کہ زندگی، زندہ دلی عقل وعشق کا صور پھونک رہے تھے اور ایک پیغمبرانہ حیثیت حاصل کر رہے تھے۔ یا کر چکے تھے۔ جوش یا فراق اقبال کی عظمت کے اس طرح قائل ہوں یا نہ ہوں جس طرح سے کہ زمانہ تھا لیکن عظمت انسانی، عقل انسانی اور عمل انسانی کے جو منطقی وعقلی تصورات اقبال نے پیش کیے تھے۔ جوش کا انسان اور فراق کا وجدان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان دونوں کی اپنی اپنی منفرد فنکاری، درّاکی اور وجدانی صورتوں نے تصویریں بدل سی دی ہیں۔ زبان اور اسلوب کے منفرد خلاقانہ استعمال نے بھی تمیز وتفریق میں معاونت کی۔ یہ ضروری بھی تھا ورنہ تخلیق تقلید کے آگے سرنگوں ہو جاتی ہے۔

فراق کی نظموں کی تعداد ان کی غزلوں کے مقابلے بہت کم ہے لیکن اتنی ضرور ہے کہ اصل فراق کو سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ ناگزیر ہوگا اور بعض نظمیں تو ایسی ہیں کہ جن کا شمار فراق کی ہی نہیں اردو کی عمدہ نظموں میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً آدھی رات، پرچھائیاں، جگنو، شام عیادت وغیرہ لیکن وہ نظمیں جن میں انقلابات، مارکسواد اور ترقی پسند نظریات کا ذکر نسبتاً زیادہ ہے ان نظموں کو اکثر کمزور نظمیں کہا گیا ہے۔ خود ترقی پسند ناقدوں نے بھی نہیں بخشا۔ ڈاکٹر افغان اللہ کہتے ہیں:

''فراق کی یہ نظمیں جنھیں ہم اشتراکی یا ترقی پسند نظمیں کہتے ہیں فنی اور فکری دونوں لحاظ سے ان کی دوسری نظموں سے کمزور اور کم حیثیت ہیں یہ نظمیں فنکارانہ رنگ اور روغن

Scanned by CamScanner

سے بڑی حد تک محروم ہیں۔''

علی سردار جعفری کا بھی خیال ہے کہ:

''ادھر کوئی دو سال سے فراق نے امریکی بنجارہ نامہ قسم کی جو شاعری شروع کی ہے وہ فراق کے نام سے گوارہ نہیں ہو سکتی آسان شاعری اور جنتا کی شاعری کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شاعری کے سارے لوازمات طاق پر رکھ دیے جائیں۔''

بادی النظر میں یہ خیالات درست ہو سکتے ہیں کہ اردو شاعری میں عرصہ طویل تک جس نوع کے تغزل ترنم اسلوب و آہنگ کا دور دورہ رہا ہے اور جس نے آگے بڑھ کر باقاعدہ ایک تہذیبی دبستان کی شکل اختیار کر لی ہو اور اس دبستان کے پیچھے باقاعدہ تہذیبی اور معیار پرستی کا جذبہ کام کرتا رہا ہو وہاں رنگ و روغن کی بات درست ہی لگے گی ورنہ سوال یہ ہے کہ رنگ و روغن سے مراد کیا ہے اسی طرح سے اسلوب و آہنگ، تغزل و ترنم سے متعلق بھی سوالات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ جس طرح زندگی رنگا رنگ اور ہمہ جہت ہے اسی طرح ادب اور شاعری کے بھی مختلف رنگ اور جہت ہوا کرتے ہیں۔ شاعری کا اگر کوئی سماجی منصب ہے اور وہ انقلاب دہر سے گہرا اور باطنی رشتہ رکھتی ہے تو پھر وہ ہمہ وقت عشق و محبت کے سستے راگ نہیں الاپ سکتی کیونکہ زندگی بذات خود کہیں نغمہ ہے کہیں الاپ اور کہیں چیخ پکار۔ شاعری میں اگر کہیں ی حرف شریں کی ضرورت پڑتی ہے تو کہیں حرف برہنہ کی بھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر چاروں طرف شور مچا ہو تو سرگوشیوں کے کوئی معنی و مطلب نہیں رہ جاتے وہی سردار جعفری جو فراق کی نظموں کے لیے لوازمات ضروری سمجھتے ہیں جوش کی شاعری کے حوالے سے ایک جگہ کہتے ہیں:

''جوش صاحب حرف برہنہ کے شاعر ہیں۔ کون بڑا شاعر ہے جس کے یہاں حرف برہنہ نہیں ہے۔ اگر نہیں ہے تو اس کی بڑائی پر شک کیا جا سکتا ہے۔ کیا اقبال کے یہاں حرف برہنہ نہیں ہے لیکن ہمارے مخالفین نے اسے غلط طور پر سمجھا اور پیش کیا۔ دراصل ہماری غزل کی شاعری خلوت کی شاعری رہی ہے اور خلوت میں حرف برہنہ کام نہیں دیتا لیکن جلوت میں تو حرف برہنہ ہی کام دیتا ہے اور بڑی شاعری صرف خلوت کی نہیں ہوتی۔ دنیا کی بڑی شاعری جلوت کی شاعری زیادہ ہے۔ دراصل ہم فریاد کی شاعری کے عادی رہے ہیں للکار کی شاعری کے نہیں اور للکار کی شاعری بغیر حرف برہنہ کے نہیں ہو سکتی۔ دراصل ہماری شاعری بعض معاملات میں بڑی نازک اور کمزور رہی ہے ہم آج بھی زمین کو سنوارنا ہی نہیں چاہتے۔ یہی ہماری شاعری کا مزاج رہا ہے۔

ہماری نظم کے شاعروں نے اس مزاج کو توڑنے کی کوشش کی ہے غالب، اقبال جوش وغیرہ کے یہاں جو انسان اور انسانیت کا تصور ہے وہ دنیا کی جتنی بھی شاعری میں نے پڑھی ہے نہیں ہے۔ انقلابی شاعری الگ سے کوئی چیز نہیں ہوتی وہ اپنے زمانے کی آواز

Scanned by CamScanner

ہوتی ہے اور اپنے زمانے کی تحریکات میں ڈوب جاتی ہے۔''

خود سردار جعفری کی شاعری حرف برہنہ کی بہترین مثال ہے۔

اب ذرا ٹی ایس ایلیٹ کے خیالات بھی ملاحظہ ہوں:

''ہر اچھا شاعر خواہ وہ عظیم شاعر ہو یا نہ ہو ہمیں مسرت کے ماسوا کچھ اور بھی دیتا ہے کیونکہ اگر شاعری کا کام صرف مسرت بہم پہنچانا ہی ہوتا تو یہ مسرت بہت اعلیٰ درجہ کی نہ ہوتی..... مسرت کے سوا ہم اس فرق کو بھی محسوس کرتے ہیں جو شاعری ہماری زندگی میں پیدا کرتی ہے۔ ان دونوں تاثرات کو پیدا کیے بغیر شاعری شاعری نہیں رہتی۔ ہم اس بات کو تو مان لیں گے لیکن ساتھ ساتھ کس ایسے پہلو کو نظر انداز کر بیٹھیں گے جو اجتماعی طور پر شاعری پورے سماج کو سامنے لاتی ہے۔ میں اس بات کو وسیع تر معنوں میں استعمال کر رہا ہوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ ہر قوم کے پاس اپنی شاعری ہونی چاہیے اور یہ شاعری نہ صرف ان لوگوں کے لیے ہو جو اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں بلکہ ایسی شاعری جس کا اثر بحیثیت مجموعی سارے معاشرے پر پڑ سکے۔''

ایلیٹ نے شاعری کی نزاکتوں، ضرورتوں اور آوازوں سے متعلق بڑے کارآمد مضامین لکھے ہیں۔ صرف ایلیٹ ہی نہیں دنیا کے نقادوں اور دانشوروں نے شاعری کی اقسام..... اس کی اہمیت و افادیت پر بے پناہ روشنائی خرچ کی ہے ادب کی سماجیات شاعری کی سماجیات دنیا کے بڑے نقادوں کا اب ایک محبوب ترین موضوع ہے۔ اردو میں شاعری کی سماجیات پر کم باتیں کی گئی ہیں اور جو کی گئی ہیں انہیں ایک خاص فکر اور اس کی غلط تبلیغ کہہ کر نظر انداز کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کے شاعروں کے ساتھ ہمارا تنقیدی رویہ وہی ہے جو اٹھارویں، انیسویں صدی والا ہوا کرتا تھا جب کہ شاعری کے ساتھ تنقید کی دنیا بھی بدل چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فراق کی نظموں تلاش حیات، دھرتی کروٹ، داستان آدم وغیرہ کو آدھی رات، پرچھائیاں وغیرہ کے مقابلے کمزور کہا گیا حتی کہ آدھی رات میں جہاں جہاں درمیان میں اس نوع کے مصرعے آگے ہیں:

نہ مفلسی ہو تو کتنی حسین ہے دنیا
اک آدمی ہے کہ کتنا دکھی ہے دنیا میں
زمانہ کتنا لڑائی کو رہ گیا ہوگا

ان مصرعوں کو بے ربط و بے معنی کہا گیا لیکن فراق کے انسانی و اخلاقی ذہن اور تہہ دار شعور کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی حالانکہ یہ مصرعے ہی ان کی تمام تر نغمگی، سحر آفرینی اور رومانی و وجدانی کیفیت کے حوالے سے انسانیت اور عالمیت سے رشتہ استوار کرتے ہوئے ان کی بے چینی و بے قراری کا خوب صورت و معنی خیز اشاریہ بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اجمل اجملی اس نظم کے ایسے ہی مصرعوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

Scanned by CamScanner

''ہندوستان سے ہزاروں میل دور یورپ کا ایک دیس ہے فراق صرف ایک مصرعہ پیش کرتے ہیں۔'' سیاہ روس ہے اب کتنی دور برلن سے''..... کیمرہ پھر کھسکتا ہے ایک اور Colse up ہے۔اس Close up کے بعد پھر ایک مصرع جسے کیمرے کی آنکھ نہیں صرف ایک شاعر کا ذہن پکڑ سکتا ہے کہ.....'ایک آدمی ہے کہ اتنا دکھی ہے دنیا میں'' شاعر اپنے گھر پر اپنی زمین پر کھڑا ہے۔رات کی پرسکون خاموشیوں میں اس کے ذہن پر کائنات اپنے آپ کو بے نقاب کر رہی ہے۔خوب صورت منظر ہے۔دلکش ماحول ہے، سکوت ہے لیکن ٹھیک اسی وقت دریا کی خاموش سطح پر گرنے والے کنکر کی طرح یہ ایک مصرعہ یہ ایک خیال اسے اس ماحول سے نکال کر اس دنیا میں پہنچا دیتا ہے جہاں بھوک ہے، افلاس ہے، بدحالی ہے۔انسان ہے اور دکھ ہے۔اس کی تنہائی اور اس کا رنج وغم۔''

وارث علوی کا خیال بھی ملاحظہ کیجیے:

''پوری نظم پر سکوت اور تھاہ گم شدگی کی کیفیت طاری ہے۔شاعر جاگ رہا ہے لیکن اس کا پورا وجود رات کی پراسرار خمار آگیں کیفیت میں غرق ہے۔وہ سوچتا ہے لیکن سوچ بھی سخت سخت ہے.....سیاہ روس.....نہ مفلسی ہو تو کتنی حسین ہے دنیا.....یا.....اب انقلاب میں شاید زیادہ دیر نہیں خیالات کی ان جھلکیوں سے شاعر کے شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔یہ شعور ایک اسی دنیا کا ہے جس میں ایک عظیم جنگ چھڑی ہوئی ہے۔دکھ اور افلاس ہے۔انقلاب پلتا ہے۔شعور بھی شاعر کے اس وجود کا حصہ ہے جس پر رات کی مدہوشی طاری ہے۔ان خیالات سے یہ احساس شدید ہوتا ہے کہ دنیا پر رات بھاری ہے۔یہ سوچ نظم کو محض رات کی کیفیت کا بیان بننے کے بجائے رات سے انسانی اور ارضی رشتے کو قائم رکھتی ہے۔''

فراق ایک دانشور تھے۔اسکالر تھے۔یونیورسٹی میں پروفیسر تھے ان سے نئی روایتی اور رومان شاعری کی امید کرنا مناسب نہیں۔انگریزی، ہندی، سنسکرت، اردو کی واقفیت تو تھی ہی نیز تاریخ، تہذیب، سماجیات، سیاسیات وغیرہ پر وہ گہری نگاہ رکھتے تھے۔وہ ایک گہرا سنجیدہ جمالیاتی شعور رکھتے تھے اور اس شعور میں ہندوستانی جمالیات کا بڑا دخل تھا۔لہذا ایسے شاعر و دانشور سے یہ امید کرنا کہ ان کی عشقیہ شاعری محض جذباتی عشقیہ اور سبک رومان شاعری ہوگی غلط ہے اور یہ بھی کہ وہ محض سیاسی، سپاٹ اور کھردری شاعری کر جائیں گے یہ بھی غلط ہے۔یہ الگ بات ہے کہ ان کی خلاقیت میں عشق و محبت، رومانیت اور جذباتیت بنیادی عناصر ہیں لیکن فراق کی نفسیات کے یہی وہ عناصر ہی جہاں سے عشق کی بے شمار گرہیں کھلتی ہیں اور حیات و کائنات پر پھیل جاتی ہیں۔فراق نے خود کہا تھا۔

Scanned by CamScanner

اس جا تری نگاہ مجھے لے گئی جہاں
لیتی ہو جیسے سانس عناصر کی کائنات

فراق کو محض عشقیہ یا محض خطابیہ انداز سے الگ الگ خانوں میں بانٹ پانا ممکن نہیں۔ اگر وہ مارکس اکبر وغیرہ پر بھی نظمیں کہہ رہے ہیں تو نظم میں اس طرح کے مصرعے نکل رہے ہیں۔

زمین چیخ اٹھی آسمان کانپ اٹھا
فضا میں نعرے تھے یا زلزلوں کی آہٹ تھی

☆☆

نئی زمیں نیا آسمان نئی دنیا
نئی ہے محفل ساقی نئے ہیں جام و سبو
(اکبر)

اوٹ میں چھپی ہوئی تہذیبوں
کا گھونگھٹ سرکایا کس نے
شرمیلی تقدیر کی دیوی
کا آنچل ڈھلکایا کس نے
(دھرتی کی کروٹ)

پیچھے چھٹی جارہی ہے منزل دیر و حرم
نغمہ جنت میں بھی ہے سوز یاد یاد رفتگاں
زندگی کا زندگی ہونا قیامت ہے فراق
اف یہ درد بے نہایت یہ نشاط بیکراں
(آثار آنقلاب)

آرائش خیال تھا وہ خواب خوشگوار
اک لفظ تھا اٹھے نہ معانی کا جس سے بار
(مارکس)

مثالیں اور بھی ہیں جن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ فراق نے اس مزاج کی نظمیں کہیں ضرور اردو وہ ترقی پسند، مارکسی فکر سے متاثر بھی تھے لیکن یہ سب کچھ ان کی شاعرانہ تخلیقی شخصیت کا حصہ نہیں بن پایا۔ ترقی پسند نظریات ان کا عقیدہ نہیں بن سکے۔ ہوسکتا ہے یہ بات سچ ہو لیکن پھر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ ان نظموں میں ان کی بھرپور تخلیقی شخصیت ابھر نہیں پائی تو آدھی رات اور جگنو میں کس طرح ابھری اور یہ نظمیں اردو کی بہترین نظمیں کیسے ہوئیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ ان کی ساری نظمیں اتنی ہی عمدہ ہیں جتنی کہ

Scanned by CamScanner

جگنو وغیرہ۔ اچھی چیزیں ہر شاعر کے یہاں کم ہی ہوتی ہیں۔ لیکن جو چیزیں کم اچھی ہیں وہ اسلوبی طور پر ان کو مناسب انداز سے جانچا پرکھا ہی نہیں گیا۔ ان کی غزلوں کے آگے اسے ٹھیک سے پڑھا ہی نہیں گیا یہی وجہ ہے کہ جو شہرت ان کے گل نغمہ کو ملی وہ دھرتی کی کروٹ کو نہیں ملی جو خالصتاً نظموں کا مجموعہ ہے اور بہت عمدہ مجموعہ ہے۔ جس میں فراق بار بار لکھتے ہیں:

> ''میں نے ہمیشہ شاعری میں معمولی پن پر زور دیا ہے اور یہ معمولی پن کیا ہے۔ شاعر کا زندگی سے اور دوسرے لوگوں سے مظاہر فطرت سے فاصلہ کم سے کم ہونا۔ گوتم وہ معمولیت میں الوہیت دیکھتے ہیں۔''

اس الوہیت کو کبیر، نظیر نے پالیا تھا لیکن جاگیردارانہ و معیار پرستانہ تہذیب میں پروان چڑھی اردو کی شاعری عوام اور عوامی زندگی کے رنج و غم، کیف و کم کو ٹھیک سے سمجھ ہی نہ سکی یا یوں کہیے کہ سمجھنا ہی نہیں چاہا۔ تنقید نے بھی کم و بیش وہی رول ادا کیا۔ اس نوع کی نظموں کو سمجھنا ہے تو ہمیں ایک طرف ہندوستان کی عوامی شاعری، عوامی کلچر کو سمجھنا ہوگا۔ ہندوستان کی عوامی جمالیات کو سمجھنا ہوگا۔ دوسری طرف عہد اور زمانے کی اس کشمکش اور کشاکش کو سمجھنا ہوگا۔ جس سے اس عہد کا ہندوستان اور ہندوستانی دوچار تھے۔ جن کے درمیان سے نہ صرف فراق کی نظمیہ شاعری بلکہ اقبال، جوش اور پوری ترقی پسند شاعری پروان چڑھ کر اپنا تاریخی اور عوامی رول ادا کر رہی تھی۔ آپ ان نظموں کو غزلیہ شاعری کی نزاکت، اشاریت اور رمزیت کے حوالے سے جانچیں گے تو صحیح نتیجے پر نہیں پہنچیں گے۔ اس نوع کی شاعری کی اپنی الگ بوطیقا ہے۔ اپنی الگ شعریات...... ان کے مقاصد کچھ اور ان کا فلسفہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ فراق نے جب دھرتی کی کروٹ میں نظموں کو یکجا کیا تو اسے بلند مقصدی نظمیں کہا اور دیباچہ میں یہ بھی کہا:

''میری غزلیں جن کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ چکی ہے زیادہ تر عشقیہ ہیں۔ میری نظمیں جو عموماً غزلوں سے زیادہ طویل ہیں۔ عشقیہ بہت کم ہیں بلکہ قریب قریب میری تمام نظمیں مقصدی ہیں۔ یہ مجموعہ میری نظموں کا انتخاب ہے۔ آج کی دنیا، آج کا ہندوستان، آج کی فکریات، آج کا سماج جو خواب زندگی دیکھ رہا ہے۔ اس مجموعے کی نظموں میں انہیں باتوں سے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے۔''

اور آگے وہ لکھتے ہیں:

> ''عظیم شاعری، عظیم تصورات سے پیدا ہوتی ہے۔ شاعری کا موضوع جو کچھ بھی ہو وہ موضوع شعر کے قالب میں ڈھل کر اگر عظیم محسوس ہونے لگے تو ایسی شاعری کو ہم عظیم شاعری کہتے ہیں حق بجانب ہوں گے لیکن موضوع عظیم کیسے بن جاتے ہیں۔ شعر میں محض اس امر کا اعلان کہ یہ موضوع عظیم ہے۔ موضوع کو عظیم نہیں بنا سکتا۔ موضوع کو عظیم بنانے میں کچھ چھپی ہوئی قوتوں کی کارفرمائی ہوتی ہے جب کسی مخصوص موضوع کے متعلق شاعر ہمیں محسوس کرا دے کہ ہم اس میں ایک نظام کائنات کی جھلک دیکھ

Scanned by CamScanner

رہے ہیں اور یہ موضوع بہ ظاہر جیسا نظر آ رہا تھا حقیقتاً اس سے بہت بڑا ہے۔ بہت دوررس ہے، بہت گہرا اور بلند ہے اور بہت پاکیزہ تو شاعری اس موضوع کو اور یہ موضوع شاعری کو عظیم بنا دے گا۔''

اردو تنقید کا ایک بڑا مسئلہ یہ تو ہے کہ اس نے حیات و کائنات کے رو سے شاعری کی سماجیات پر سنجیدگی سے کام نہیں کیا جب کہ مغرب میں شاعری کی سماجیات یا شاعری کے سماجی منصب پر خوب لکھا گیا ہے۔ ہمارے یہاں ترقی پسند نقادوں نے تھوڑا بہت کام کیا ہے لیکن ہمارے تعصبات و تحفظات ہمیشہ آڑے آتے رہے اور تنقید مکتبی اور نصابی خانوں میں قید رہی اور اس طرح ہم نے شاعری کی ایک بڑی دنیا، عوامی اور نرالی دنیا اپنے ہاتھ سے گنوادی جس کی کم مائیگی کا خمیازہ ہمیں طرح طرح سے بھگتنا پڑ رہا ہے۔

غزل کی شاعری داخلی شاعری ہے۔ باطنی جذبات و احساسات کی شاعری ہے اور ہم غزل کی غزلیت، لطافت وغیرہ کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہمیں نظم کی حقیقت، خارجیت، مقصدیت راس ہی نہیں آتی۔ ہم نے تو اسے شاعری کی خرابیاں مان لی ہیں۔ اب تو ہمیں نظمیں بھی وہی پسند آتی ہیں جن میں داخلیت یا داخلی کیفیت ہو۔ ان نظموں کو ہم نے لائق اعتنا سمجھا ہی نہیں جن میں خارجیت اور مقصدیت ہو یہی وجہ ہے کہ ہم نے انقلابی، احتجاجی، عوامی حتی کہ منظریہ شاعری کو وہ مقام نہیں دیا جس کی وہ حق دار تھی کیونکہ ہمارے پاس اس کے جانچنے پرکھنے کے معیار ہی نہ تھے چنانچہ ہم بے ترتیب انداز میں محض اپنی ذاتی پسند و ناپسند کے حوالے سے بے تکے فیصلے کرتے رہے جب کہ اس مزاج کی شاعری کو اس کی اپنی حقیقت، نوعیت، موضوعیت کے تحت پرکھنا چاہیے۔ المیہ یہ ہے کہ اس کے پس پردہ جو بہت ساری گڑبڑیاں ہیں۔ منصوبہ بندیاں ہیں وہ آج بھی جاری ساری ہیں۔ یہی گڑبڑیاں، نافہمیاں، کج بحثیاں فراق کی نظم شناسی ہی نہیں پوری ترقی پسند نظم شناسی کے آڑے آتی رہیں۔ اقبال کے یہاں مذہبیت، انیس کے یہاں رثائیت اور فیض کے یہاں کلاسیکی شعریت کا نظام نہ ہوتا تو یہ بھی راندہ درگاہ ہو گئے ہوتے جیسے جوش، فراق، سردار وغیرہ کر دینے کی ناکام اور مذموم کوشش کی گئی۔ ان شاعروں اور ایسی شاعری کے بے مثال اور مالا مال خزانے کو شاعری کی سماجیات اور سماجیات کے نازک فلسفوں کو سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔ یہ سچ ہے کہ نظم میں ناول یا ڈرامہ کی طرح سماج کی تلاش یا سماجی حقیقت کی تلاش مناسب نہیں اور سماجیات پر یقین رکھنے والے اکثر ناقدین نظم کی باطنی کیفیت سے دور خارجی حوالوں سے نظم کی طرح طرح سے تعبیریں کر کے اس میں سماج تلاش کرنے لگتے ہیں۔ یہ بھی مناسب نہیں لیکن کیا یہ مناسب ہے کہ ہم نظم کو غزل کی طرح پڑھیں اور پرکھیں اور اس طرح کے حظ اور جمالیات کا تقاضا کریں۔ نظم میں احساس کی حقیقت اپنا روپ بدل لیتی ہے۔ اس کے اظہار کے طریقے بھی بدل جاتے ہیں۔ انفرادی حقیقت اجتماعی شعور کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔ آخر نظم اور غزل کی ہیئت، مذاق اور نفسیات میں فرق تو

Scanned by CamScanner

ہے ہی۔ اس بنیادی فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور اسے زیادہ اس شاعر کو سمجھنے کی ضرورت ہے جو ذاتی اور سماجی حالات سے متاثر ہو کر غزل کا شاعر ہونے کے باوجود نظم کہنے پر مجبور ہے۔ ایک بات اور کہ تنقید عموماً کتابوں کے اردگرد گھومتی ہے اور قیل و قال پر مرکوز محدود ہوتی ہے اور تخلیق حیات و معاشرہ میں بال و پر کھولتی ہے۔ تنقید اکثر مکتبی اور منطق ہوتی ہے اور تخلیقی تخیلی و وجدانی.....

میں اپنے ان منتشر خیالات کو فراق کے شاگرد اور اپنے استاد پروفیسر سید محمد عقیل کے دلچسپ اور معنی خیز مضمون ''فراق کو کیسے پڑھیں اور کیسے نہ پڑھیں'' کے ایک اقتباس پر ختم کرتا ہوں.....

''اگر کوئی فراق صاحب کے ترقی پسندوں کی کارکردگیوں سے اختلاف کو نظر میں رکھ کر ان کی شاعری یا خود ان کے متعلق رائے قائم کر دے تو وہ فراق صاحب کی تحریروں سے صحیح نتیجے کبھی نہیں نکال سکتا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فراق صاحب کی مارکسزم اوپر سے اوڑھی ہوئی مارکسزم نہ تھی نہ ہی وہ اس کے طرح ریڈ ہاٹ (Red Hot) سوشلسٹ تھے۔ انہوں نے مارکسزم کو اپنی فکر میں حل کر لیا تھا مگر اپنے تجزیوں کی روشنی میں میڈیا کے پروپیگنڈے کی طرح ہیں.....

واقعہ یہ ہے کہ فراق کے اشعار کی حقیقتیں چاہے لطف و کم دیں مگر طبیعت کو ایک درا کی اور بے چینی عطا کر دیتی ہیں جو عشقیہ اور عام زندگی کے معمولات سے روشناس کرانے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ فراق کی تلاش، طریق پیشکش اور ان موجود باتوں تک پہنچنے اور ان کے ادراک کے طریقے ہی ان خیالات اور محسوسات کی جان بن جاتے ہیں۔ فراق صاحب کی انفرادیت بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے جس میں نشاط غم اور غم و نشاط سب اس طرح مدغم ہو جاتے ہیں جو ان اشعار کو عشقیہ شاعری کی روح رواں نہیں بناتے بلکہ کہیں کہیں ان میں آفاقی شان پیدا کر دیتے ہیں۔

فراق کی شاعری کو مختلف پھیروں (Twish) کہیں سپردگی کی مجبوریوں اور کہیں ان کی انا (Ego) کی بلندیوں تک اٹھ کر دیکھنا پڑے گا تبھی ان کے جوہروں کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔.....''

Scanned by CamScanner